R. N. 2186/57

Regd. No.A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No.39

Telegrams: "ANJUMAN"

قیمت
سالانہ تین روپے
ایک پرچہ
دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱۵-۱۱-۶۱

ہماری زبان

جلد ۲۰ شمارہ ۴۳ | ایڈیٹر آل احمد سرور | علی گڑھ ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۶۱ء

قاضی معراج دھولپوری

گذشتہ سے پیوستہ

دیوانِ جانیؔ بہاری لال راضیؔ بھرتپوری

مہاراجہ جسونت سنگھ [illegible] میں ریاست کے مختار بنا دئے گئے۔ کمیشن کی ایسی صورت میں بظاہر ظہور کوئی ضرورت نہ رہی۔ ممبروں کو جہاں جہاں سے لیا گیا تھا وہاں واپس کر دیا گیا۔ راضی پھر شعبۂ وکالت میں آگئے۔ مگر اب جیسا کہ [illegible] کی مطبوعہ کتاب مذکور سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے ان کو ترقی دے کر "وکیل" بنا دیا گیا۔ مستقر ان کا حسبِ سابق اب بھی آگرہ ہی رہا کہ ریذیڈنسی کا صدر مقام تھا۔ یہاں سے پھر ایک مرتبہ ضرورتاً ان کو اودے پور تعین کیا گیا کیونکہ مہاراجہ شمبھو سنگھ والیِ اودے پور کے انتقال واقع [illegible] کے بعد ان کے چچازاد بھائی مہاراجہ سجن سنگھ گدی کے مالک قرار پائے مگر اس وقت عمر ان کی سولہ سال کی تھی۔ مختارِ کل نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ لہٰذا جانی جی کو مہاراجہ کا اتالیق مقرر کر دیا گیا کہ یہ ایک کارآزمودہ قابل اور بھروسے کے کارکن تھے۔ چنانچہ "ہینڈ بک آف ہندوستان" مطبوعہ [illegible] میں مہاراجہ سجن سنگھ جی کو "under a native tutor" بتایا گیا ہے۔ مہاراجہ سجن سنگھ نے عمر بہت کم پائی ابھی وہ صرف چھبیس سال کے تھے کہ [illegible] میں دنیا کو خیرباد کہہ گئے۔

سکسینہ صاحب نے جانی کو سمبت ۱۹۳۲ میں مہاراجہ اودے پور کا اتالیق بتایا ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سمبت [illegible] کے مطابق قرار پاتا ہے اور اس وقت ان کی عمر انگریز مصنفین کے قول کے مطابق انیس سال کی تھی گویا وہ سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے اور ریاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔ ڈاکٹر جے۔ پی۔ اسٹریٹن صاحب سابق پولیٹکل ایجنٹ میواڑ نے

انہی کے عہدِ حکومت میں تاریخ میواڑ بزبانِ انگریزی مرتب کی جس کا ترجمہ تالیفِ کتاب کے دو سال بعد [illegible] میں جانی بہاری لال نے کیا۔ "گلِ مقصود" (جس سے [illegible] کا حاصل اس کا تاریخی نام رکھا اور مطبع اعجازِ محمدی آگرہ میں [illegible] کے پیمانے پر اس کو طبع کرایا۔ یہ ایک سو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ (نیز انہی راجہ کی زیرِ سرپرستی [illegible] میں ٹاڈ راجستھان کا اردو ترجمہ نولکشور پریس سے شائع ہوا جو ۱۲ × ۹ کے سائز پر ۹۰۲ صفحات پر مشتمل ہے)۔

خدماتِ اتالیقی انجام دینے کے بعد راضی پھر اپنی مستقل جگہ پر آگرہ آگئے۔ [illegible] میں وکیل بھرتپور ہونے کی حیثیت سے محولۂ بالا انگریزی قصیدہ پیش کیا۔ اس میں نام کے ساتھ "وکیل بھرتپور" کے علاوہ "راؤ بہادر" خطاب بھی درج ہے۔ [illegible] کے ایک مراسلے میں جو ایم کیمپسن صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک شمالی و مغربی نے راضی کے نام اردو زبان میں جاری کیا ہے اور جس کی نقل "یادگارِ راضی" میں شامل ہے یہ خطاب موجود نہیں اور [illegible] کی مطبوعہ "یادگارِ راضی" میں اس کا کوئی اندراج۔ لہٰذا اغلب قیاس یہ ہوتا ہے کہ [illegible] اور [illegible] کے درمیانی زمانے میں کسی وقت ان کو یہ خطاب دیا گیا۔

راقمِ سطور کے کتب خانے میں جانی بہاری لال راضی کی جو تصانیف محفوظ ہیں ان کی تاریخ وار تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

(۱) "یادگارِ راضی"۔ نام اس کا تاریخی ہے جس سے [illegible] ہجری (مطابق [illegible]ء) اخذ ہوتا ہے۔ غالباً سب سے پہلے انھوں نے یہی کتاب لکھی ہے کیونکہ اس سے پہلے کی کوئی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۱ × ۹ کے سائز پر [illegible] میں مطبع مفیدِ عام آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔ کتابت اس کی محمد یسین لکھنوی ابن مولوی محمد ہادی علی نے کی ہے۔ آغازِ کتاب میں آٹھ اشعار کی ایک عربی نظم بھی شامل ہے جس میں کتاب کے پڑھنے والے طلبہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ شروع کے اٹھائیس صفحات میں فہرستِ مضامین درج ہے اور دو پر صحت نامہ۔ ازاں بعد صفحۂ اول سے کتاب شروع کی گئی ہے جس کا موضوع بحث صرف عربی ہے جس کو اٹھارہ حصوں یا بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شرح و بسط کے لحاظ سے اپنی قسم کی

ل *Hand book of Hindustan* مصنفہ جی۔ آر۔ ایبرلی مطبوعہ بمبئی [illegible] ۔ سپنکے اوئی بینگ پروفیسر گورنمنٹ کالج دہلی

یہ ایک ہی کتاب ہے۔ عربی زبان کے قواعد پر اُردو میں مختصر رسائل تو نظر سے گزرے ہیں مگر اتنی مبسوط و مفصل کتاب دیکھنے میں نہیں آئی اور پھر ایک ایسے مصنف کی جس کو عربی سے بظاہر کوئی تعلق نہیں۔ اس زبان کا کوئی قواعد داں اور مسلّم الثبوت اہلِ زبان ایسا نہیں جس سے مصنّف نے استناد نہ کیا ہو۔ نیز موقع و محل کے لحاظ سے اپنی رائے بھی سپردِ قلم کی ہے اور عربی اسکولوں کے اختلافات و خصوصیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زبان زیرِ بحث میں راضی کا مطالعہ گہرا تھا اور وہ معتبرانہ حیثیت کے مالک تھے۔ میری رائے میں اس کتاب کی اشاعت ہندوستان کے موجودہ کسی ادارے کی جانب سے ہونا ضروری ہے یا خود حکومت اس طرف توجہ کرے تو مناسب ہے کہ بحالت موجودہ اپنے وطن میں کسی دوسرے اہلِ قلم کی عربی میں ایسی کوئی نادر و مبسوط تصنیف عالمِ وجود میں نہیں اور نہ بزمانۂ آئندہ اس کا کوئی امکان کیونکہ بلحاظ ضرورت و کمی وقت اس قسم کی کتابوں میں اختصار بالعموم مدِ نظر ہوتا ہے جس سے ضروری معلومات تو ہو جاتی ہے مگر موضوع پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا۔ میری رائے میں یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب پڑھنے والے کو متعلقہ چھوٹی بڑی ہر بحث پر عبورِ کلی حاصل ہو اور پھر یہ ضمیر دار اتفاق و اتحاد' اپنی قسم کا اولین و آخرین کارنامہ اپنے ملک کا ہے جس کو بلادِ عربیہ کی قواعدوں کے دوش بدوش کامیابی کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔ کتاب پیشِ نظر "یادگارِ راضی" کا حصہ اول ہے۔ تحریر مشتمل دوسرا حصہ بھی اتنا ہی ضخیم اور مفید بتایا گیا ہے۔

مذکور الصدر کتاب کے خاتمے کی تاریخ راضی نے قطعۂ ذیل کے ذریعے بھی پیش کی ہے۔ ؎

سجدۂ شکرِ ذوالمنن واجب — جیشِ فیضِ لسٹرن صاحب
نسبتہ یادگار راضی ہے — قسمتہ یادگار راضی ہے
حال نسبت ہے کام سے ظاہر — سال ہجرت ہے نام سے ظاہر
ہیں سے فائدہ سراسر ہے — غیر سے جائدہ برابر ہے

ہیں راضی سے یادگار ہے ایک
یہی راضی سے یادگار ہے نیک

اور "تتمۃ الطبع" پر مہتمم مطبع کی جانب سے جو قطعہ درج ہے اس میں لفظ "خوبا زتہ" سے ۱۲۹۶ھ بہم پہنچایا گیا ہے جس کی مطابقت ۱۸۷۹ء سے ہوتی ہے۔ نیز سال تصنیف ۱۲۴۷ ہجری، عیسوی ۱۸۳۱ء کے مطابق قرار پاتا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں راضی نے اپنا تخلص عربی دانی کے زیرِ اثر تجویز کیا ہے کہ "شیخ الرضی" عربی کا ایک بڑا مستند قواعد داں ہوا ہے جس سے استناد کیا جانا آج بھی معمولات میں ہے۔ ممکن ہے وہ خود کو عربی قواعد میں شیخ کے ہمپایہ سمجھتے ہوں بلکہ زیادہ کر زیادت الف انھوں نے اپنا تخلص رکھا۔

(۲) "تصریف زبان فارسی و انگریزی" اس کی تاریخ و تفصیل اندرونِ مضمون آچکی ہے۔

(۳) "نگارِ راضی" نام اس کا بھی تاریخی ہے جس سے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) اخذ ہوتا ہے۔ یہ بانداز مثنوی گلستانِ سعدی کا منظوم ترجمہ ہے۔ "نسخۂ گلستانِ فارسی ہندی" اس کا مصرعِ تاریخ ہے۔ یہ ۹×۱۱ کے پیمانے پر مطبع مفید عام آگرہ میں چھپا ہے۔ صفحات اس کے ایک سو بیالیس ہیں۔ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک شمالی و مغربی نے اس سلسلے میں ایک پروانہ ۱۳ر ستمبر ۱۸۶۹ء کو بہ نمبر ۹۰۴ الف اُردو میں جاری کیا ہے جس میں کتاب کو "قابلِ تحسین" بتاتے ہوئے منجانب سرکار شکریہ ادا کیا گیا ہے اور "بنظر قدر دانی سرکار سو جلدیں کتاب "نگارِ راضی" کی انعام میں دینے کے لئے" خرید کی گئی ہیں۔

(۴) "دلِ آرامِ راضی" اس کے نام سے ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) بہم پہنچتا ہے۔ یہ بوستانِ سعدی کا اُردو ترجمہ ہے جو بہ صنفِ مثنوی نظم کیا گیا ہے۔ سائز اس کا ۹×۱۱ ہے اور صفحات ۱۳۰۔ مطبع مفید عام آگرہ میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔ اس کے سلسلے میں بھی ڈائرکٹر صاحب مذکور الصدر کا پروانہ بہ نمبر ۱۴۳۹ مورخہ ۷ر اگست ۱۸۷۳ء بزبان اُردو جاری ہوا ہے جس میں ترجمے کے ہوشیاری سے کئے جانے کا اظہار کیا گیا ہے اور کتاب کو "پڑھنے کے قابل" بتا کر مصنف کی "سعی مشکور" بتائی گئی ہے۔ نیز تحریر کیا گیا ہے کہ اس سے مترجم کی "ہوشیاری و لیاقت ظاہر ہوتی ہے"۔

(۵) "اورنگِ راضی" نام کتاب تاریخ کا حامل ہے جس سے ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) سال تصنیف نکلتا ہے۔ یہ انوارِ سہیلی کا منظوم ترجمہ بطرز مثنوی ہے۔ ۹×۱۱ اس کا سائز ہے اور تعداد صفحات ۲۷۸ ہے۔ ۱۲۸۹ھ میں مطبع مفید عام آگرہ میں یہ کتاب چھپی ہے۔ "بہار گلابِ راضی" سن مذکور کا حامل تاریخی مادۂ انطباع ہے۔

(۶) "گلِ مقصودِ راضی" ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء) کا مظہر اس کا نام ہے۔ یہ جے۔ پی۔ الٹرٹن صاحب سابق پولیٹکل ایجنٹ میواڑ کی انگریزی "تاریخ چتور" کا اُردو ترجمہ ہے جو ایک سو دو صفحے اور ۹×۶ کے پیمانے پر اعجازِ محمدی پریس آگرہ میں منطبع ہوا ہے۔ اس میں ہندی جو نام آئے ہیں ان کو بخطِ ناگری حاشیے پر لکھ دیا گیا ہے۔ قدرے ذکر اس کتاب کا متنِ مضمون میں آچکا ہے۔

(۷) "قصیدہ بزبان انگریزی" عنوان اس کا Aqasida on "Poetic Address" ہے۔ یہ ۴ر مئی ۱۸۸۹ء (۱۳۰۶ھ) کو ایجنٹ گورنر جنرل کے دربار میں پیش کیا گیا ہے۔ دو سو دو مصرعوں پر مشتمل ہے جو آٹھ صفحوں پر محیط ہیں۔ یہ از ابتدا تا انتہا ہندوستانی محاسن سے بھرپور ہے۔ زبان اس کی بہت صاف اور متروکات و مخففات سے مبرا ہے جس سے اس زبان میں بھی شاعر کی قوتِ شعر گوئی اور مضمون آفرینی کے علاوہ زبان پر بے تکان قدرت کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ نیز انگریزی لباس میں دیسی خیالات کا پیش کرنا شاعر کی جدتِ طبع ہے جس کو انھوں نے خود بھی محسوس کیا اور لکھا ہے۔

قصیدۂ مذکور کے ساتھ چار تصانیف کا تحفہ پیش کیا جانا بھی قصیدے میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز بتایا ہے کہ یہ کتابیں انگریزی فارسی سیکھنے والوں کے لئے مفید ہیں۔ معلوم نہیں یہ کونسی کتابیں ہیں۔ فہرست مندرجہ بالا میں صرف ایک کتاب نمبر ۲ اس مقصد کو پورا کرتی ہے مگر یہ دیگر تصانیف میں سے ہے۔ (باقی صفحہ ۵ پر)

اداریہ

"ذرا آہستہ لے چل کاروانِ عشق و مستی کو"

ہندی بہار، اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور راجستھان کی سرکاری زبان ہے۔ یہ مرکز کی سرکاری زبان بھی ہونے والی ہے اب اگر ہندی دوست ہندی کو یونیورسٹیوں میں ذریعۂ تعلیم بنانے میں جلدی کریں تو اس سے ہندی کی کوئی خدمت نہ ہوگی، ہاں ان لوگوں کے لئے جو ابھی ہندی میں پوری مہارت نہیں رکھتے دشواریاں بڑھ جائیں گی۔ ابھی یونیورسٹی کی منزل کے لئے اچھی کتابوں کی ضرورت ہے۔ ابھی استادوں کو جدید علوم کو ہندی میں پڑھانے کے لئے خاصا ریاض کرنا ہے۔ ابھی اس بات کے سلسلے میں اطمینان ہونا چاہیئے کہ ذریعۂ تعلیم میں تبدیلی اس اسلوب سے ہو کہ معیاروں پر اثر نہ پڑے۔ دو سال پہلے بہار یونیورسٹی اور پٹنہ یونی ورسٹی نے یہ کوشش کی تھی کہ فوراً ہندی کو پڑھائی اور امتحان کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس پر بہار کی دوسری زبانوں کے بولنے والوں نے سخت احتجاج کیا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ اب پھر کچھ لوگ ۱۹۶۲ء سے ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے میں بہار اور پٹنہ یونی ورسٹی کو ابھی اس مسئلے پر اور غور کرنا چاہیئے۔ دہلی یونیورسٹی نے بھی ۱۹۶۲ء سے تبدیلی کا پروگرام بنایا تھا مگر اُسے اس پروگرام کو طویل عرصے کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہرینِ تعلیم اب یہ محسوس کرتے جا رہے ہیں کہ انگریزی کو یونیورسٹیوں میں ابھی کافی عرصے تک ذریعۂ تعلیم رہنا چاہیئے۔ اس کی وجہ غلامانہ ذہنیت نہیں، معیاروں پر اصرار ہے۔ یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ خاص تیاری کے بغیر ایسے بڑے قدم اٹھانے سے نت نئی دشواریوں کا سامنا ہو سکتا ہے، اس لئے بہار اور پٹنہ یونیورسٹی کو ابھی ہندی کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور امتحان کا ذریعہ بنانے میں جلدی نہیں کرنا چاہیئے۔ انھیں اس بات کی اجازت دینی چاہیئے کہ امتحان میں جس کا جی چاہے انگریزی میں جواب دے اور جس کا جی چاہے ہندی میں۔ اس طرح کچھ طلبہ کو آسانی بھی ہو جائے گی اور اس آسانی کی وجہ سے دوسروں کی مشکلات میں اضافہ نہ ہوگا۔ ہندی کے علمی معیار کو بڑھانے کے لئے اچھی کتابوں کی تالیف اور معیاری انگریزی کتابوں کے مناسب ترجمے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یونی ورسٹیوں کو علم کا گہوارہ ہونا چاہیئے سستی سیاست کا اکھاڑہ نہیں۔

اِدھر اُدھر سے

ہندوستان کے تعلیمی مسائل پر تحقیقاتی مقالوں کی اشاعت

تعلیمی مسائل پر تحقیقات کی قومی کونسل جو ہندوستان میں تعلیم کے متعلق ہر سال ایک کتابچہ کی اشاعت کے لئے قائم کی گئی تھی، پہلا کتابچہ اگلے مہینہ شائع کرے گی۔ اس بات کا انکشاف وزارتِ تعلیم کے سکریٹری مسٹر پریم کرپال نے ابتدائی تعلیم کی کل ہند کونسل کے افتتاح کے موقع پر کیا۔ مسٹر کرپال نے کہا کہ یہ کتابچے لندن کی انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، اور امریکہ کی سوسائٹی فار دی اسٹڈی آف ایجوکیشن کی جانب سے جاری کئے جانے والے سالانہ کتابچوں کی طرح کے ہوں گے اور ہر سال تعلیم کے کسی ایک اہم مسئلہ پر ماہرینِ فن کے مقالے پیش کئے جائیں گے۔ انھوں نے بتایا کہ پہلا کتابچہ "ہندوستان کی مابعد آزادی تعلیمی ترقی" سے متعلق ہوگا۔ اور دوسرا کتابچہ جو ثانوی تعلیم پر ہوگا اگست ۱۹۶۲ء میں شائع کیا جائے گا۔ مسٹر کرپال نے کہا یقین ہے کہ یہ کتابچے ملک کی تعلیمی ترقی کی رفتار میں خاطر خواہ اضافے کا سبب بن سکیں گے۔

اُردو کے ۲۸ مصنفوں کو حکومت کی طرف سے وظائف

معلوم ہوا ہے کہ تقریباً دو سو مصنف ادیب اور شاعر اور ایک سو موسیقار اور فنکار ایسے ہیں جنھیں حکومت کی طرف سے وظائف دیئے جا رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کسی ادب یا فن کی کوئی خدمت کی ہے اور جن کے ناموں کی سفارش صوبائی حکومتوں نے کی تھی۔

جن لوگوں کو یہ وظائف مل رہے ہیں ان میں بنگلہ کے ۲۲، ہندی کے ۸، ملیالم کے ۸، سنسکرت کے ۱۹، تلگو کے ۱۹ اور اُردو کے ۲۸ مصنف شامل ہیں۔

برطانیہ میں ہندوستانی کتابوں کی مقبولیت

ایک خبر کے مطابق ہندوستان کی اہم اور نئی مطبوعات بہت زیادہ تعداد میں برطانیہ پہنچ رہی ہیں اور انھیں برطانیہ کی یونیورسٹیاں لائبریریاں، کالج، طلبہ اور عام پڑھنے والے خرید رہے ہیں۔

نئی دہلی میں موسیقی پر مباحثہ

ریڈیو سنگیت سمیلن سنہ ۱۹۶۱ء میں ۲ تا ۱۰ نومبر ۶۱ء موسیقی پر ایک چار روزہ مباحثہ منعقد کیا گیا اس میں ہندوستانی موسیقی پر خیال کرنا کہ موسیقی میں ..... پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ مشہور ماہرینِ موسیقی ٹھاکر جے دیو سنگھ، شری اوم ..... شری ایس این رتنجنکر، شری سی ایس پنت، شری ڈی جی ویاس، سوامی پرگیانانند، شری ایس سی چکرورتی، شری بی آر دیودھر، شری ..... شری ڈی کے جے ..... شری پی سمباموتی شری ..... شری ..... کرشنا اور شری کے ..... شاستری نے حصہ لیا۔

نرالا کی یادگار

الہ آباد۔ ۲۰ر اکتوبر۔ یہاں اخباری نمائندہ کو سیٹھ گوبند داس ممبر پارلیمنٹ نے بتایا کہ انھوں نے نرالا پریشد کی اس تجویز کو منظور کرلیا ہے کہ پنڈت سدھاکانت نرالا کی کتابوں کے ترجمے دنیا بھر کی زبانوں میں کرانے کا مناسب انتظام کیا جائے۔ سیٹھ گوبند داس نے نرالا جی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ کوشش بھی کی جائے گی کہ ان کی کتابوں کے ہندوستان کی تمام زبانوں میں بھی ترجمے کرائے جائیں۔ سیٹھ جی نے اس تجویز کی زبردست حمایت کی کہ نرالا جی کی یادگار میں ایک میموریل بنایا جائے، اور وہاں ان کا ایک بُت نصب کیا جائے اور ان کی تمام کتابیں جمع کی جائیں۔

ہندی کی ترویج و ترقی کیلئے مرکزی وزارت تعلیم کے اقدامات

وزیر تعلیم ڈاکٹر کے ایل شری مالی نے ہندی شکھشا سمیتی کے چودھویں اجلاس میں یہ انکشاف کیا کہ مرکزی وزارت تعلیم نے جنوب و مشرق میں ہندی کی ترویج و ترقی کے لئے مزید دو سرکاری دفاتر کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان دفتروں میں مشاورتی کمیٹیاں ہوں گی جو غیر ہندی ریاستوں کو ہندی مقبول بنانے کے سلسلے میں ضروری مشورہ دیں گی۔ اس کے علاوہ مرکزی وزارت تعلیم نے آسام اور مغربی بنگال میں ہندی ٹیچروں کی تربیت کے لئے دو ٹریننگ کالج قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس قسم کے دو کالج میسور اور کیرالا میں قائم کئے جا چکے ہیں۔

ہندی شکھشا سمیتی نے ہندی نہ بولنے والی ریاستوں کے ہندی ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی کے لئے مختلف تجاویز پر غور و خوض کیا ہے۔ سمیتی نے تمام علاقائی زبانوں کے لئے دیوناگری کو تانوی رسم خط بنانے کی اسکیم پر بھی غور و خوض کیا۔

مشہور شاعروں کے ترتیب دئے ہوئے گانوں کے رکارڈ

معلوم ہوا ہے کہ حکومت مغربی بنگال نے بنگال کے مشہور و معروف شاعروں کے ترتیب دئے ہوئے گانوں کے رکارڈ کم قیمت پر فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت مغربی بنگال کی وزارت تعلیم جلد رکارڈ کمپنیوں سے بات کرنے والی ہے۔

ان تمام شاعروں کے گانے کے رکارڈوں کے لئے حکومت رکارڈ کمپنیوں کو امداد دے گی۔ اس وقت بازار میں رکارڈ کی جو قیمت ہے یہ رکارڈ اس سے نصف قیمت پر فروخت کئے جائیں گے۔

تروپتی میں سنسکرت ودیاپیٹھ قائم کرنے کا فیصلہ

حکومت ہند نے تروپتی میں کیندریہ سنسکرت ودیاپیٹھ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا مقصد سنسکرت ٹیچروں کی تربیت اور سنسکرت کی تعلیم کے طریقوں کی تحقیقات ہوگا۔

لسانی اشتراک

اردو	نارنگی
ہسپانوی	نارنخا
فارسی	نارنج
انگریزی	اورینج
فرانسیسی	اورانژ
جاپانی	اورن جی

(ا۔ک)

جرمنی میں ہندوستانی موسیقاروں کی تعریف

برلن۔ ۵ر نومبر۔ یہاں کے موسیقی کے نقادوں نے ہندوستان کے تین موسیقاروں کی دل کھول کر تعریف کی ہے جنھوں نے اس سال ہندوستانی ثقافت کے ہفتہ میں شمولیت کی۔ ان ماہرین موسیقی کے نام استاد ولایت خاں (ستار نواز)، امرت خاں (سر بہار نواز) اور سنتا پرساد (طبلہ نواز) ہیں۔

انھوں نے دو ہزار جرمنوں کے سامنے اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ اس کے بعد مغربی جرمنی کے موسیقی کے نقادوں نے ان ہندوستانی فن کاروں سے فرمائش کی کہ وہ پھر اپنے کمالات دکھائیں۔ ایک جرمنی نقاد نے ان ہندوستانی فنکاروں کو بین اقوامی شہرت رکھنے والے کچھ مغربی سنگیت کاروں کا ہم پلہ بتایا ہے۔ دوسرے جرمنی نقادوں نے بھی ان ہندوستانی فنکاروں کی غیر معمولی تعریف کی ہے۔

اندھوں کے لئے اخبار

لندن۔ ۸ر نومبر۔ برطانیہ کے ایک سابق صحافی نے اندھوں کے لئے ایک اخبار جاری کیا ہے۔ یہ اخبار "ٹیپ" پر چھپتا ہے۔ صحافی مسٹر والٹر گلنگز نے اندھوں کے لئے ٹیپ ریکارڈ پر "اخبار" جاری کرنے کا فیصلہ اس بات کے پیش نظر کیا ہے کہ برطانیہ کے ایک لاکھ اندھے مردوں اور عورتوں میں سے صرف دس فیصد بریل سسٹم کے تحت پڑھ سکتے ہیں۔ ان کا اخبار جو اپنی نوعیت کا واحد ہفت روزہ ہوگا۔ ٹیپ ریکارڈ کیا جائے گا۔ اس میں مقامی خبروں کے علاوہ عام دلچسپی کے مسائل پر تبصرہ اور انٹرویو بھی درج کئے جائیں گے۔ یہ ٹیپ ریکارڈ اندھوں کی کلبوں میں ہر ہفتے مقررہ دن بجائے جائیں گے۔ مسٹر گلنگز بعض طلبہ کو ٹیپ ریکارڈ بھرنے کی تربیت بھی دے رہے ہیں۔ یہ نوجوان انھیں اخبار جاری کرنے میں مدد دیں گے۔

ضروری اعلان	براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ — منیجر

غزل

سید رحمت الاکرام

دیارِ عقل میں پہنچے جو تیرے سودائی — ہوئی کچھ اور بھی رسوا جنوں کی دانائی
سمجھ کے بھی اسے شاید کوئی سمجھ نہ سکا — وہ داستاں جو مری خامشی نے دہرائی
فرازِ دل کی نظر آتی ہے جہاں سے جھلک — رہِ طلب کی وہ منزل ابھی نہیں آئی
نکل کے محفلِ جاناں سے یہ ہوا محسوس — سمٹ کے رہ گئی کون و مکاں کی پہنائی
نظر میں ہیں یہ پرچھائیاں سی کیوں پرسو؟ — پکارتی ہے کسے میری شامِ تنہائی!
ہمیں نے حسنِ دیارِ زندگی کے جلوؤں کو — ہمیں سے روٹھ گئی زندگی کی رعنائی!
مزاجِ حسن تلون شعار بھی تو نہیں — وہ پوچھتے ہیں کہ ہونٹوں پہ کیوں ہنسی آئی؟
بلندیوں سے جو گرتے تو کوئی بات بھی تھی — ہمیں ڈبو گئے اپنے دلوں کی گہرائی
عجیب چیز ہے یہ آب و گل کی دنیا بھی — ہمیں تماشا ہیں اور خود ہمیں تماشائی
زمانے میں عشق نے پائے بھی اتنے عنواں ایک — کہاں ہر ایک کو حاصل نشاطِ رسوائی
چراغِ دل کا جلاؤ کہ روشنی پھیلے — حیات لیتی ہے تاریکیوں میں انگڑائی
ہزار روپ بھرے، رنگ سیکڑوں بدلے — مگر خرد کو جنوں کی ادا نہیں آئی
میں کتنا دور ہوں اپنے وجود سے رحمت — زمانہ گزرا، خود اپنی خبر نہیں پائی

غزل

[illegible] شمسی

جب وہی غمِ حیات ہوئے — ختم ان سے تعلقات ہوئے
زلف کی چھاؤں میں جو دن گزرے — بس وہی حاصلِ حیات ہوئے
زندگی نے جب اپنا رُخ بدلا — میکدے سے مناجات ہوئے
اُن کے جور و ستم کو تھا ٹھہراؤ — ہائے وہ بھی تو بے ثبات ہوئے
شب ڈھلے اُن کے انتظار کے وقت — کیسے کیسے توہمات ہوئے
رونقِ کائنات تھی جن سے — اب وہی زخمِ کائنات ہوئے
خود چلے آئے وہ خیال کے ساتھ — چند ایسے بھی واقعات ہوئے
دم سے شمسی کے تھی روایتِ عشق — وہ بھی نذرِ تغیرات ہوئے

غزل

ناصر زیدی

گھٹ گئی دھوپ بڑھ گیا سایا
کس نے آنچل ہوا میں لہرایا

چاند نازاں تھا اپنی صورت پہ
اُن کو دیکھا تو جی میں شرمایا

اشک آنکھوں میں لب پہ آہیں ہیں
ہم نے الفت کا یہ صلہ پایا

پھر ستاروں میں کھلبلی سی مچی
پھر کوئی ماہتاب گہنایا

ہجر میں جی رہے ہیں یوں ناصر
جیسے گلشن میں پھول مرجھایا

تین شعر

عتیق احمد

اے جہد تری گیسو ہم تیرے سنواریں گے
حسنِ رُخِ فردا کو کچھ اور نکھاریں گے

جس صبحِ درخشاں کی دنیا کو ضرورت ہے
ہم وادیٔ ظلمت سے وہ صبح ابھاریں گے

اب کاکلِ گیتی سے اُلجھے تو سمجھ لیجے
ہم کاکلِ گیتی کو کچھ اور سنواریں گے

غزل

میر حسین علی افسر

اب ان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں ہے
وہ صبح نہیں ہے وہ مری شام نہیں ہے

قائم ہے تری یاد ہی سے گرمیٔ انفاس
یوں تو مرے ہونٹوں پہ کوئی نام نہیں ہے

وہ دورِ غمِ دل کو بھی کیا کہیے کہ جس کا
آغاز نہیں ہے کوئی انجام نہیں ہے

دو گام جسے کہیے ہے اک فاصلۂ عمر
دو گام پہ منزل سہی دو گام نہیں ہے

ہنس ہنس کے کبھی روئے تو رو رو کے ہنسے ہم
اب اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے

بس فرق ہے یہ رندوں میں اور شیخ میں اتنا
جو ہم سے زیادہ ہے وہ بدنام نہیں ہے

اک شب غمِ فرقت سے ہے چھٹی ہوئی اب آنکھ
افسر یہ ہے قسمت کہ تہی جام نہیں ہے

غزل

چندر پرکاش شاد

چاہیں گی ہمیں زندگیاں رائگاں کبھی
آئے گا راہِ عشق پہ دورِ زماں کبھی

چھیڑیں گی اہلِ شوق سے اک داستاں کبھی
سایہ سا بن گئے ہیں جو [illegible] دھواں کبھی

خواہاں ہوں قرب کا بھی مگر چاہتا ہوں
تجھ پہ پڑے نہ سایۂ اشکِ رواں کبھی

شاید نہیں ہے جانِ تصور وگرنہ یوں
اُٹھتا نہ انتظار کا کوہِ گراں کبھی

اپنی نگاہ میں بھی رہے ہو تم ایک راز
ظاہر نہ عشق کا ہوا دردِ نہاں کبھی

ہم تیری آرزو لئے مٹ جائیں گے مگر
اُبھرے گا کائنات کے دل سے دھواں کبھی

وحشی چلے گئے کہ زمانہ جلا گیا
پیدا ہوا نہ بزم میں پہلا سماں کبھی

امیدِ شوق کی جو خبر ہے تو ہے یہی
گزرا تھا تیری راہ سے یہ کارواں کبھی

صحرا نورد اب بھی بڑے پُر امید ہیں
ہوگا تمہارے پیار کا چشمہ رواں کبھی

شاید شعورِ غم کی رہیں سازشیں مدام
آئی نہ راس انجمنِ دوستاں کبھی

چار شعر

انجم [illegible]

گلشن گلشن وادی وادی — ہر ہر منزل تجھ کو صدا دی
تیرے صدقے دامنِ الفت — تو نے سکوں کی شمع بجھا دی
اشک کا پینا کھیل نہیں ہے — ہار چکے ہیں کتنے شرابی
آج غمِ جاناں مجھ سے ہے — لا اے ساقی جام و صراحی

مراسلات

مہاراجہ کرشن پرشاد شاد

"قول فیصل" کے عنوان سے جناب "حکم چند جی نیر" کا ایک مضمون ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کے اخبار "ہماری زبان" میں نظر سے گزرا۔ اس میں مہاراجہ سر کرشن پرشاد شاد کو داغ کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ جو صحیح نہیں کیونکہ وہ تلمیذ آصف تھے چنانچہ تاریخ ادب اُردو میں رام بابو سکسینہ نے اس کا اظہار کیا ہے نیز ۱۹۲۲ء کے دیوان شاد حصہ اوّل مطبوعہ کا نپور سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ خود شاد نے بھی ذیل کے مقطعے میں اس کا انکشاف فرمایا ہے ؎

آصف کا خانہ زاد تھا تلمیذ بھی ہوا ● اے شاد یہ کرم ہے مرے بادشاہ کا

مصنفات شاد کی جو فہرست مضمون پیش نظر میں دی گئی ہے ان کے علاوہ حسب ذیل کتب بھی انہی کی تصنیف سے ہیں:۔

ہدیہ شاد، شمار شاد، کلام شاد (تصوف و منقبت پر مشتمل) جذبات اصحاب۔ مثنوی بزم توحید، آخرالذکر تین کتابیں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی ہیں اور اول الذکر دو کتابوں کی نشاندہی تاریخ ادب اُردو میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں "دیوان شاد حصہ اوّل" کانپور میں چھپا ہے۔ غزلیات اس میں ردیف "ے" تک شامل ہیں کاغذ اس کا نہایت عمدہ گلیزڈ ہے اور طباعت دیدہ زیب ہوئی ہے صفحات اس میں ۲۸۸ ہیں۔ ٹائیٹل پیج سنہری ہے جو باہتمام غنی احمد مطبع رزاقی کانپور میں چھپا ہے۔ اس کی بعض غزلیات غالب کی زمینوں میں کہی ہوئی ہیں۔ (معراج دھولپوری)

بھارت میں اُردو صحافت کی تاریخ و ترقی

۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کے ہماری زبان کے صفحہ ۹ پر "بھارت میں اُردو صحافت کی تاریخ و ترقی" کے عنوان سے گورنمنٹ آف انڈیا کے پریس انفارمیشن بیورو کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس کے سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

کلکتے سے نکلنے والے جام جہاں نما اور شمس الاخبار اصل میں دونوں فارسی کے اخبارات تھے۔ لیکن ان کے ساتھ اردو کے ضمیمے شامل ہوتے تھے۔ جام جہاں نما کے ایڈیٹر ہری دت اور شمس الاخبار کے ایڈیٹر منی تھا کرتے اور اردو صحافت کے جنم داتا ہونے کا سہرا انھیں دونوں حضرات کے سر ہے۔ شمس الاخبار کا سن اشاعت ۱۸۲۳ء ہے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل شائع ہونے والے اُردو اخبارات کی فہرست میں حوالۂ بالا مضمون میں کوہ نور کا نام نظر نہیں آیا۔ کوہ نور ۱۸۵۰ء میں لاہور سے منشی ہرسکھ رائے کی ادارت میں ہفتہ وار اخبار کی صورت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ اور یہی پنجاب کا سب سے پہلا اخبار تھا۔ اس کا چرچا برطانوی ہند اور ریاستوں میں خاصہ تھا۔ لیکن اشاعت محدود تھی۔ گارساں دتاسی کے مطابق ۱۸۵۰ء میں اس کے خریداروں کی تعداد ۳۴۹ سے زیادہ نہ تھی۔ (پرکاش مونس)

حزیں صولت جنگ کی رفاقت میں عظیم آباد میں!

جناب بیدل کی کتاب "کلام میر" میں جو بہار یونیورسٹی کورس کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ میر کے معاصرین میں حزیں کے ذکر میں لکھا گیا ہے کہ "۱۱۵۴ھ میں عظیم آباد آکر نواب سعید احمد خاں صولت جنگ کی رفاقت میں زندگی بسر کرنے لگے"۔ صولت جنگ موصوف جو بقول صاحب شعر الہند مربیان اُردو سے تھے پورنیہ کے فوجدار تھے پورنیہ میں رہے خود صاحب سیر المتاخرین ان کے دربار سے وابستہ ہو کر پورنیہ میں رہتے تھے۔ اور اور عالم اور شاعر بھی ان کے دربار میں رہے ہیں۔ صولت جنگ کی تو مستقل سکونت عظیم آباد میں شاید کبھی نہیں رہی۔ پھر حزیں صولت جنگ کی رفاقت میں عظیم آباد میں زندگی بسر کرنے لگے یہ کیونکر ہوا؟

کوئی محترم باخبر ہماری زبان کے صفحات میں اس پر روشنی ڈال کر استفادہ کا موقع دیں ہم ممنون ہوں گے۔ (محمد سلیمان)

علّامہ آرزو لکھنوی

میں آج کل حضرت انور حسین آرزو لکھنوی کی حیات اور ادبی کارناموں پر ایک تحقیقی مقالہ ترتیب دے رہا ہوں جسے جامعہ بمبئی میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اُردو زبان و ادب کے شیدائی بالخصوص تلامذہ و قدردانِ آرزو مرحوم اس سلسلے میں میری معاونت فرمائیں گے تو میں نوازش ہوگی۔ پتہ حسب ذیل ہے:۔

مجاہد حسین حسینی۔ انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲۔ دادا بھائی نوروجی روڈ۔ بمبئی ۱

انجمن کا خبر نامہ

بزمِ ادب مئو کی نشست

مورخہ ۳ دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء کو ۸ بجے شب میں بزمِ ادب مئو کے زیرِ اہتمام ایک مشاعرہ صدرِ بزم جناب فضا ابن فیضی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مشاعرہ "دانش کدہ" کے وسیع ہال میں ہوا اور بذریعہ لاؤڈ اسپیکر نشر کیا گیا۔

افرا انصاری، حبیب اللہ نیر، مفتی احمد علی، ماہر انصاری، سردار شفیق، ناصر انصاری، دل انصاری، ممتاز انصاری، مختار احمد اختر اور دوسرے اصحاب نے اپنی غزلوں سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ محمد اکرم نے ایک افسانہ بعنوان "کرن" سنایا جو بے حد سراہا گیا۔ نیز گورکھپور سے آئے ہوئے مہمان شاعر و افسانہ نگار ایم کوٹھیاوی راہی نے ایک تازہ ترین افسانہ "جو اماں لی تو کہاں لی" اور غزل کے چند شعر سنائے۔ افسانہ بیحد کامیاب رہا۔ آخر میں صدر نے ایک غزل پیش کی۔ نیز سامعین کے اصرار پر دو نظمیں "سلگتے سائے" اور "زخموں کے پھول" سنائیں جو بے حد پسند کی گئیں۔ اس ادبی پروگرام میں شہر کے باذوق حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ دس بجے شب میں یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(سردار شفیق پروپیگنڈہ سکریٹری)

شاہجہاں پور میں یادگار مشاعرہ

بتاریخ ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء ۹ بجے ایک بزمِ سخن زیرِ صدارت حکیم شکیل احمد صاحب شمسی منعقد ہوئی جس میں بیرونجات کے مشاہیر شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔ مشاعرہ کا افتتاح کرتے ہوئے رشید حسن خاں صاحب نے اس محفل ادب کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اردو ادب میں مشاعروں کا کیا مقام رہا ہے۔ ٹھیک ۹½ بجے مشاعرے کا آغاز ہوا جو بحسن و خوبی ۵ بجے شب کو ختم ہوا۔ خاص طور پہ استاد رشید رامپوری، مولانا ابر احسنی گنوری، حبیب بھوپالی، جام رامپوری، رئیس رامپوری، افروز بریلوی، نشاط بیلی بھیتی، جادو داں لکھنوی، طالب لکھنوی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آخر میں حضرت اڑیل شاہجہاں پوری اور شیخو جائسی نے اپنی ہزلیات سے مشاعرے کو قہقہہ زار بنا دیا۔ اختتام پر تمام مہمان شعرائے کرام اور خاص طور پر صدرِ محترم کا شکریہ ادا کیا گیا جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود تشریف لا کر بزم کو رونق بخشی۔ (رباب رشیدی)

دائرہ فکر و نظر (گیا)

چند سرگرم نوجوانوں کی کوشش سے دائرہ فکر و نظر کا قیام عمل میں آیا جس کی غرض و غایت اور مطمحِ نظر اردو زبان کی ترقی و اشاعت اور اس کے اصنافِ ادب کا فروغ اور خاص کر نوجوان شعراء اور ادباء میں تنقیدی صلاحیتوں اور تخلیقی قوتوں کو اجاگر کرنا ہے نیز تخلیقات پر مخلصانہ ادبی تحقیق فضا میں سر جوڑ کر یا ہمی تبادلۂ خیال اور غور و فکر کرنا بھی ہے جس کے لئے ہر اتوار کو جلسے ہوا کریں گے۔ (محبوب نظر معتمد)

"گوشۂ ادب" کی بیسویں نشست

۹ دسمبر ۱۹۶۱ء بوقت ۷ بجے شام "گوشۂ ادب" اسٹوڈنٹس یونین کے ... صاحب گنج کی بیسویں ادبی نشست زیرِ صدارت شہاب الدین منعقد ہوئی۔ سکریٹری کی رپورٹ کے بعد کمال احمد ... نسیم پرویز، شعلہ غازی پوری، اسعد انجم، نجم الحسن ... طہور علی کوثر نے اپنی تازہ تخلیقات سے سامعین کو نوازا۔ (سکریٹری)

ہانگر د فلم کیمرہ حیدری گشتی کتب خانہ میں

حیدری گشتی کتب خانہ حیدر آباد کی سب سے پہلی پبلک لائبریری ہے جسے اردو گشتی کتب خانہ کے نام سے مولوی فضل اللہ احمد نے ۱۸۹۲ء میں عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے قائم کیا تھا۔ بعد میں اردو زبان کے محسن، اس وقت کے حیدر آباد کے وزیر اعظم اور اردو جامعہ عثمانیہ کے بانی سر اکبر حیدری کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے موجودہ نام دیا گیا۔ مولوی فضل اللہ کی ان تھک کوششوں کی وجہ سے کتب خانہ اپنی ترقی کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔

۱۹۱۸ء میں انکی بے وقت موت کتب خانہ کے لئے ایک زبردست حادثہ تھی مگر نیک نیتی سے قائم کیا ہوا یہ ادارہ سخت ترین مشکلات میں بھی اپنے قابل صدر جناب جانکی پرشاد (سکریٹری انڈین کانفرنس آف سوشل ورک) کی رہنمائی میں اپنے کام میں مصروف رہا۔

کچھ دن پہلے امریکہ کے جناب آر. ہوتر میڈل نے اپنا ایجاد کردہ ہانگر د فلم کیمرہ جس کی اندازاً قیمت سو سٹرلنگ پونڈ ہے کتب خانہ کو تحفتہً دیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا کیمرہ ہے جو حیدر آباد کی پبلک لائبریری کو ملا ہے۔

(احسان اللہ۔ لائبریرین)

ہند و پاک کے شعراء کی ایک یادگار محفل شعر

حیدرآباد ۱۰ نومبر (ہ س) نمائش کلب حیدرآباد میں عظیم پیمانہ پر ایک یادگار مشاعرہ منعقد ہوا جس میں شعر و ادب کے پرستار دو ڈھائی گھنٹے تک ہندوپاکستان کے ممتاز شعراء کا کلام انتہائی نظم و ضبط اور سکون کے ساتھ سنتے رہے۔ مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر بی گوپال ریڈی مرکزی وزیر تعمیرات، اطلاعات و نشریات نے کی۔ پانچویں یوم تاسیس آندھرا پردیش کے موقع پر آندھرا جینتی تقاریب کمیٹی کے زیر اہتمام اردو کا یہ کل ہند مشاعرہ منعقد کیا گیا تھا۔ ایک روز قبل تلگو کوی سمیلن ریاستی چیف منسٹر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ابتدا میں مسٹر بدری وشال پتی صدر آندھرا جینتی تقاریب کمیٹی نے خیر مقدمی تقریر کی۔ مشاعرے کا آغاز حسب روایت ... کی غزل سے ہوا۔ اس کے بعد ابن احمد تاب، منوہر لال شارب اور شاذ تمکنت نے اپنا کلام سنایا۔ اور مہمان شاعر روش صدیقی و رام کرشن مضطر کے بعد ممتاز شاعر ممتاز شاعر مخدوم محی الدین نے اپنی نئی نظم "تحفت چہ" سنا کر داد تحسین حاصل کی مسلسل اصرار پر اپنی ایک اور مشہور نظم "کشمیر" سنائی۔ شاہد صدیقی نے اپنی نظم "تجربے" پیش کی۔ ... کے بعد مہمان شاعر نشور واحدی، فنا کانپوری، قتیل شفائی اور جگن ناتھ آزاد نے اپنا کلام سنایا۔ ملک کے مشہور شاعر حضرت فراق گورکھپوری نے اس مشاعرے میں رباعیاں اور قطعات کے علاوہ دو غزلیں سنائیں۔ مسلسل اصرار پر انہیں تین بار اپنا کلام سنانا پڑا۔ کنول پرشاد کنول، ... نے بھی اپنا کلام سنایا۔ ڈاکٹر بی گوپال ریڈی کی غیر موجودگی میں پروفیسر عبدالقادر سروری نے مشاعرے کی صدارت کی۔ کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر ریڈی مشاعرے میں تشریف لا سکے۔ حضرت فراق گورکھپوری، قتیل شفائی اور نشور واحدی کو بے حد پسند کیا گیا۔ خاتون شاعرہ یاد لکھنوی نے بھی اپنا کلام سنایا۔ بارش کی وجہ سے مشاعرہ نمائش میدان کی بجائے نمائش کلب میں منعقد ہوا۔

انجمن نوجوان مصنفین۔ بمبئی

انجمن نوجوان مصنفین کی پندرہ روزہ ادبی نشست اتوار مورخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کو دن کے ساڑھے چھ بجے دفتر "نوجوان پارٹی" (جیسری گھیلا بھائی اسٹریٹ، مدن پورہ) میں منعقد ہوئی۔ صدارت مقبول عالم صاحب نے کی۔

سب سے پہلے جوائنٹ سکریٹری نے گذشتہ میٹنگ کی رپورٹ پڑھ کر سنائی جو مناسب ترمیموں کے بعد منظور ہو گئی۔ اس کے بعد نصیب راہی نے اپنی نظم "دار و رسن"، حسن عباس فطرت نے مزاحیہ مضمون "بیویوں کی قسمیں" اور ستار جے پوری نے اپنی غزل سنائی۔ تخلیقات پر کی گئی بحث میں مقبول عالم، حمیدہ سورتی، حسن عباس فطرت، یوسف منان، جمیل سین، منظور حسین، عنایت اختر، یٰسین احمد، محمد بشیر اور سلیمان ظفر نے حصہ لیا۔

(سلیمان ظفر۔ جوائنٹ سکریٹری)

ایوان اردو میں محفل شعر و سخن

۵ر نومبر شام کے ۷ بجے ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے ایوان اردو میں یوم تاسیس آندھرا پردیش کے مشاعرے میں شرکت کے لئے آئے ہوئے شعرا کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت صدر ادارہ پروفیسر سید علی اکبر صاحب نے کی۔ سید محمد پرنسپل اردو کالج نے ابتدا میں ادارے کی خدمات پر مختصر تبصرہ کیا۔ وقار خلیل ایڈیٹر سب رس نے شعرا کا خیر مقدم اور تعارف کرایا۔ اس مخصوص محفل شعر و سخن میں پروفیسر فراق، قتیل شفائی، روش صدیقی، نشور واحدی، رام کرشن مضطر، فنا نظامی کانپوری اور ہندی کے شاعر اندی ور نے اپنا کلام سنایا۔ مقامی شعرا میں حاجی علی اصغر اور حامد بن شبیر نے غزلیں پیش کیں۔ پروفیسر محمد اکبر الدین صدیقی نے تمام مہمان شعراء صاحبان کو ایوان اردو کے شعبہ جات کی سیر کرائی، گروپ فوٹو اور عصرانے کے بعد یہ محفل اختتام کو پہنچی۔ (و۔ خ)

اقبال کرشن

دیوان سرمست اللٰہی

آج سے ساٹھ سال پہلے ؁ء ور اللہ ڈاکر المبین، کرہ ایہ، کلکتہ میں انجمن صوفیہ کے نام سے ایک انجمن قائم تھی۔ "حضرت سرمست اللٰہی شاہ عزیز الرحمٰن صاحب چشتی الفخری تخلص ہندی پر یہی خضر پوری" اسی انجمن سے منسلک تھے ان کی ایک کتاب ہاتھ آئی ہے جس کا نام ہے "پرتو اشرفی معروف بہ تجلیات معنوی" یہ کتاب ۱۳۲۳ ہجری میں مطبع مصطفائی میں چھپی تھی اور ۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی میں دیوان سرمست اللٰہی ہے۔ کتاب کی قدامت کا تقاضا ہے کہ اس غیر معروف مطبوعہ دیوان کو معروف کیا جائے۔

شاہ عزیز الرحمٰن کا سلسلہ جناب فخر الدین محب النبی صاحب سے ملتا ہے:-

شاہ عزیز الرحمٰن ـــــ ابو محمد اشرف علی ـــــ مسکین علی شاہ ـــــ حضرت شاہ صادق ـــــ محب النبی۔

دیوان قریب سات سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اشعار سب مذہبی رنگ میں ہیں، سب پر تصوف کی گہری چھاپ۔ تذکیر و تانیث کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ اکثر جگہوں میں غلطیاں جان بوجھ کر کی گئی ہیں، صرف قافیہ پیمائی کے لئے۔

مذہبی مسلک

یہ ایک شریعت شکن صوفی تھے۔ تصوف کی چکنی زمین پر کہیں کہیں پھسلے بھی ہیں؛ شریعت شکنی میں کہیں کہیں اسلام شکنی بھی ہو گئی ہے۔ اندازہ لگائیے:-

احد احمد بخدا تھا مجھے معلوم تھا
نور سے نار ملا تھا مجھے معلوم تھا
کبھی تو رام ہوا کالا ہے تو رحیم بنا
قسم احد کی ہے احمد احد ہیں دونوں ایک
جو دیکھا میم کا پردہ اٹھا تو آن نکلا
اللہ جسے کہتے ہو تم ہے وہ صنم ایک
اسلام و کفر ایک ہی ہے دیر و حرم ایک
اسلام و کفر دونوں کو کرتا سلام ہوں
بندہ ہوں میں خدا کا نہ پابند رام ہوں
نہیں مجذوب سا بڑھ مارتا ہوں بزم اشرف میں
خدا خود عبد کی صورت ہے بندہ بھی خدا بھی ہے
شفیع دو جہاں اشرف علی ہیں فیض اقدس سے
کمال امید ہے سرمست مجھ کو ان کی ذات پر

غلطیاں

ایک تو آج سے ساٹھ سال قبل کا زمانہ اور کلکتہ کا غیر ادبی ماحول، تذکیر و تانیث وغیرہ کی کچھ غلطیاں اگر نظر آ جائیں تو تعجب کیا۔ دیکھئے کچھ معرکہ آرا غلطیاں:-

شیش خانہ میں قدم رکھا تو بولا یار سے
شش جہت میرا ہی نقشہ آشکارا ہو گیا
احد و احمد کی حقایق آشکارا ہو گیا
مدعائے محبوب یہ اس کا دلارا ہو گیا
قشر و جبہ کا سمجھنے یہ سب گماں نکلا
تو شش جہت ہی کا برزخ درازواں نکلا
تمہیں نظر آ بچے آئینۂ وحدت ـــــ جز وصل خدا غیر کچھ بھی تو نہ تھا بات
کسی چراغ فارف سے تم اپنا آنکھ جلوالو
پڑا پردہ ہے خلیات کا بیکار کیا باعث
دو جہاں عفت میں بدنام ہوا میرے لئے ـــــ پر کسی کو نہ پتہ عشق کا میرے بعد
طالب کوئی ہے زر کا کسی کو طلا ہوس
جز پیر کے نہیں ہے مجھے دوسرا ہوس
ملکوت میں تھا مجھ کو بھی تقدیر کی ہوس
جبروت میں ہے اب مجھے تدبیر کی ہوس

انتخاب دیوان

ان غلطیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جناب سرمست اللٰہی صاحب کی شاعرانہ اہمیت کیا ہے۔ ان کے اشعار کے درج ذیل انتخاب سے ان کی شاعرانہ اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رشتۂ آشام سے مخفی نہ رکھا جیکہ جلر
چاک کرنے کو گریباں وہی سینہ آنا
عدم سے ڈھونڈھتا تجھ کو کہاں کہاں نکلا
چھپا تو مجھ میں تھا دیکھا تو جان جاں نکلا
تلاش یار میں سمجھے کہاں کہاں نکلا
کبھی تو جانب صحرا و بوستاں نکلا
اسود کو اس نے کعبۂ دل میں بسا دیا ـــــ منھ دیکھنے کو آئینہ اچھا بنا دیا
ہم تو ہیں مرد خدا جنت سے ہم کو کیا غرض
انس مستورات کو ہے خلد و مقصورات کا
قدح میں آفتاب کے ہے پرشرر شراب
منھ سے لگا دے ساقیا لا اور بھر شراب
کیوں نہ مجھ کو زیب دے جہل المرکب کا لقب
خود فراموشی میں تو غیروں نہ دھبا ہے عبث
رشتہ یہ بندھا عشق کا کفار سے کیوں آج
وابستہ ہے اسلام بھی زنار سے کیوں آج
اسلام و کفر کی ابھی بجھ جائے گی تشنگی
لکھ دوں جو حوض کوثر و تسنیم کی شرح
کب اہل دل ہیں دولت دنیا کے نشہ میں
رہتے ہیں بادہ عشق سے مخمور بے طرح
ہم نے جام اشرفی کو پی لیا ملکوت[1] میں
اس لئے جبروت میں مجھ پر کھلا اسرار شیخ
خدا کو دیکھنا ہو خود کو دیکھو
یہی نقشہ یہی صورت محمدؐ

[1] قبل از بیعت یہ واقعہ مصنف بہ حالت نوم و بیداری میں مقام رنگون اسٹیمر کا رانگون پر گذر چکا ہے ۱۲ ـــ

بقیہ

دیوان جانی بہاری لال راضی بھرتپوری

فہرست میں دی ہوئی کتابوں کے علاوہ (۸) "انگریزی اردو خالق باری" و جائزۂ زبان اردو) (۹) "دستور تحریر" (۱۰) "دیوان راضی" (تلامذۂ غالب) - (۱۱) ہندی ترجمہ باب ہشتم گلستان سعدی، (خطبہ و تاسی یکم دسمبر ۱۸۶۳ء) - (۱۲) حسب حال - (۱۳) شادی نامہ نیز (۱۴) سنسکرت ویاکرن کا ہندی ترجمہ (مضمون سکسینہ صاحب) نام کی کتابیں بھی جانی جی کی تصنیف بتائی جاتی ہیں مگر تشنۂ تفصیل ہیں اور آخرالذکر تین کتابیں محتاج توثیق و تائید بھی۔

"یادگار راضی" میں مصنف کی ایک عکسی تصویر بھی شامل ہے جس سے ان کا سادہ مزاج ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کسی قسم کا کروفر کل سے مترشح نہیں ہوتا۔ گول پگڑی، انگرکھا اور پاجامہ میانہ قد و قامت پر سجا ہوا ہے۔ نیز اس وقت کے دستور کے مطابق چہرے پر ڈاڑھی بھی ہے۔ ہاتھ میں ایک کتاب لئے کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ شاعر کی اس وضع قطع کو دیکھ کر قصیدے کے ان اشعار کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے، جن میں ہندوستان کو انگریزی لباس پہنا دئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے زیب و زینت نہ ہونے پر معذرت کرتے ہوئے اس کے فرحت انگیز و دلچسپ ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ عنوان اس تصویر کا مطابق ذیل ہے:-

"شبیہ جناب دیوان جانی بہاری لال صاحب وکیل و پنچسردار ریاست بھرتپور مصنف کتاب ہذا"

کتاب زیر قلم کے آخری ٹائٹیل پیج پر ایک اشتہار بھی ہے جس میں مصنف نے اپنی کتابوں کو رجسٹری سے محفوظ رکھنے کا اعلان کیا ہے اور "حق تصنیف تمام اہل مطابع کو بخوشی خاطر" بخشا ہے۔ نیز بلا تامل چھاپ لینے کی اجازت دی ہے۔ اس سے ان کا مقصد علم و فن کی ترویج و اشاعت ہے بشرطیکہ مصنف نے اپنی کتابوں کو فروختگی کے لئے بازار میں نہیں رکھا۔ تحفۃً احباب وارباب ذوق کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بطور عام ان کی تصانیف دستیاب نہیں ہوتیں۔

جانی جی نے جس طرح ملازمت کے سلسلے میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اسی طرح علمی و ادبی حلقوں کو فیض پہنچاتے رہنا بھی ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا ہے۔ بڑی محنت و تن دہی کے ساتھ وہ اس کام کو بھی تادم آخر انجام دیتے رہے اور متعدد و گراں قدر تصانیف کے ذریعے ارباب علم کو مستفید و مستفیض کرتے رہنا ان کا مسلک رہا۔ ان کی ہر تصنیف ان کے فاضل اجل ہونے کی دلیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی، فارسی، اردو، ہندی و انگریزی پر مکمل عبور رکھتے تھے اور ان زبانوں میں شعر کہنے کا غیر معمولی ملکہ قدرت نے انکو عطا کیا تھا۔ صاحب آثار الشعراء نے ان کا سنسکرت میں مہارت رکھنا بھی بیان کیا ہے جو راضی ایسے ذہین و طباع اور محنتی انسان کے عین شایان شان ہے۔ ان کا زمانۂ تصنیف و تالیف کتب پیش نظر کی بنا پر کم سے کم گذشتہ سال قرار پاتا ہے کہ مذکورۂ بالا کتب میں اولین کا درود ۱۲۳۷ھ میں اور آخرین کا ۱۳۰۶ھ میں ہوا ہے۔ اب اگر اس سے قبل اور اس کے بعد اور کچھ نہیں لکھا لکھایا تو بھی یہ طویل مدت تو مسلم ہی ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ کا ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ راضی کا سال وفات تحقیق کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا۔ فاضل مؤلف "تلامذۂ غالب" نے ۱۸۹۵ء میں ان کی رحلت بتائی ہے اور سکسینہ صاحب مضمون زیر نظر میں ۳۰ر اپریل ۱۸۹۵ء تک ان کا پنشن پانا بیان فرماتے ہیں۔ اگرچہ کہ اعتراض اس پر بھی وہی بغیر حوالہ ہونے کا عائد ہوتا ہے جو موصوف نے مؤلف تلامذۂ غالب پر کیا ہے بہر حال معاملہ مذبذب ہے۔

سکسینہ صاحب فرماتے ہیں کہ نوے سال کی عمر میں جانی جی کا دیہانت ہوا اور سال ولادت آپ نے اسی مضمون میں ۱۸۰۵ء بتایا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آج انکو بقید حیات ہونا چاہئے کہ نوے سال ۱۸۹۶ء میں ہوں گے جس سے بظاہر سال ولادت کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ خود مصنف کے قول کے مطابق جو انھوں نے قصیدہ مذکورہ میں کہا ہے ان کا صحیح سال ولادت ۱۸۱۵ء ہوتا ہے۔ اس حساب سے

نوے سال ۱۹۰۵ء میں ہوتے ہیں مگر نوے سال کی عمر میں وفات پانا محتاج توثیق ہے اور جب تک مستند کسی حوالے سے اس کی تائید نہ ہو کیونکر اسکو قابل قبول سمجھا جا سکتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۰۶ء / ۱۳۲۴ھ میں منشی سکھدیو پرشاد مہر انوپ شہری ماسٹر ہائی اسکول بھرتپور کا مجموعۂ کلام "گلدستۂ بہار" کے نام سے انوار احمدی پریس الہ آباد سے شائع ہوا ہے۔ اس کے آخر میں جو قطعات تاریخ شامل ہیں ان میں ایک قطعہ حسب ذیل بھی ہے جس میں نام اور سردار ہونا تو جانی کی ذات کے مطابق ہے۔ مگر تخلص مختلف۔ ممکن ہے کہ زندگی کے حصۂ آخر میں راضی نے اپنا تخلص بدل لیا ہو اور اگر نہیں تو قطعہ کسی دوسرے "جانی بہاری لال" کا ہے جو سردار بھی تھے اور شاعر بھی۔ مگر بھرتپور میں کسی سے مجھے ایسی کوئی معلومات بہم نہیں پہنچی تاہم تیقن کے ساتھ میں اس سلسلے میں کچھ کہہ نہیں کرسکتا۔ قطعہ بعینہٖ درج ذیل ہے:۔
"از فکر نادر بیان خوش تکلم جانی بہاری لعل صاحب تجو سردار ریاست بھرتپور"

دکھیں اشعار سحر سامری ہوں • مصنف شاعر جادو بیاں ہے
تجو کی فکر نے فکر سال دیواں • کہا "باغ بہار بے خزاں ہے"

۱۸　۹۲ عیسوی

صاحب آثار الشعرائے ہنود نے ۱۸۸۵ء / ۱۳۰۲ھ کے مطبوعہ اپنے تذکرے میں جانی جی کے حالات مطابق ذیل حوالۂ قلم کئے ہیں:۔

"راضی تخلص دیوان جانی بہاری لال قوم ناگر برہمن باشندہ شہر آگرہ جو ایک نامی گرامی شخص اس زمانہ میں ہیں انھوں نے علم عربی فارسی انگریزی اور سنسکرت میں مہارت حاصل ہونے کے بعد عرصہ تک سرکار انگریزی میں نوکری کی اور پھر ریاست بھرتپور میں نائب وکیل ہوئے اور اب وکیل حاضر باش ایجنسی ریذیڈنسی راجپوتانہ ایک عرصہ سے ہیں اور اس عرصہ میں ایک دفعہ دیوان ریاست بھی واقع کا تھا، ہوئے اور ایک دفعہ مہاراجہ صاحب سجن سنگھ جی والیٔ میواڑ کے اتالیق ہو چکے ہیں۔ مگر ریذیڈنسی میں ان کا بہت بڑا اثر بسبب قدامت اور لیاقت کے ہے اور اکثر انگریزوں نے ان سے ہندی اور فارسی پڑھی ہے۔ وہ شعر بھی کہتے ہیں چنانچہ گلستاں کا نظم ترجمہ اردو زبان میں بنام "گلزار دانش" کیا ہے اور اسی طرح انوار سہیلی کو بھی نظم میں لکھا ہے۔ آگرہ پر میری ملاقات بھی ان سے ہوئی تھی۔ آدمی بہت بزرگ منش اور باعلم ہیں۔ اور شاعری اب تک باوجود گزر جانے سن شباب کے نہیں کی ہے۔ اور اپنے مذہب کے بہت پابند ہیں مگر افسوس ہے کہ اس وقت ان کا کوئی شعر ہمارے پاس اس تذکرہ میں درج کرنے کو نہیں ہے۔" ص ۹۳-۹۴

یہ ہیں راضی کے مجمل حالات جو ایک معاصر نے قلمبند کئے ہیں جو ان سے ملاقات بھی کر چکے تھے۔ میری رائے میں ان سے مستند جانی جی کے حالات کا دستیاب ہونا دشوار ہے۔ راقم سطور نے انہی کی روشنی میں بہ تائید و مطالعہ دیگر کتب مستند اپنا مضمون تیار کیا ہے۔

تبصرے

خلیل الرحمٰن اعظمی

زنجیرِ رمِ آہو

مصنف : عبدالعزیز خالد
ناشر : ادارہ مطبوعاتِ مشرق ۔ کراچی
قیمت : دو روپے

تقسیم ہند کے بعد نمایاں ہونے والے اُردو شاعروں میں عبدالعزیز خالد کا کلام کئی اعتبار سے توجہ کا مستحق ہے۔ آزادی اور فسادات کے موضوع پر ہنگامی اور صحافتی شاعری جب یکسانیت کا شکار ہو گئی اور کچھ ہی دنوں کے بعد اس طرح کی ادبی پیداوار کا طلسم ٹوٹ گیا تو اس کے نتیجے میں پچھلی نسل کے بہت سے مقبول اور معروف شعراء یا تو شاعری سے تائب ہو گئے یا غزل گوئی پر قناعت کر لی۔ نئی نسل کو نقادوں نے یہ مژدہ سنایا کہ ادب میں جمود ہے اور شعر و شاعری کے لئے بین الاقوامی حالات بھی ناسازگار ہیں۔ ایسے وقت میں بعض نوجوان شعراء نے اپنا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ادبی و تہذیبی خزانوں کو کھنگال کر روایت کے صحت مند عناصر سے ایک بار پھر رشتہ جوڑنے اور انھیں جدید عناصر سے آمیز کر کے موجودہ دور میں ان کی معنویت اجاگر کرنے کا کام شروع ہوا۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ کے شعراء کے یہاں اس دور میں ہندوستانی لب و لہجہ، ہندوستانی رقص، موسیقی اور لوک گیت کے آہنگ کو جذب کرنے اور میر، نظیر اکبرآبادی، عظمت اللہ خاں، آرزو لکھنوی اور میراجی وغیرہ کے اسالیب کے امکانات دریافت کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ خالد نے اس کے برخلاف اپنا رشتہ عربی شاعری، انجیل اور دوسرے الہامی صحیفوں اور صنمیات پر مبنی ڈرامائی شاعری سے جوڑ کر اپنی ڈگر علٰحدہ بنائی ہے۔ یونانی اور انگریزی ادب کا مطالعہ بھی انھوں نے لگن کے ساتھ کیا ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ "زرداغِ دل" ان کے منظوم ڈراموں پر مشتمل تھا جن کے پلاٹ بائرن، لانگ فیلو، رابرٹ براؤننگ، مارلوئے، ملٹن اور شوقی بک سے ماخوذ تھے۔ ان منظوم ڈراموں کا طریقِ کار اور ان کا اسلوب خود خالد کا وضع کردہ تھا۔ اس مجموعے کے بعد سیفو کی نظموں کا ترجمہ "سرودِ رفتہ" اور انجیل کے غزل سلیمان کا ترجمہ "غزل الغزلات" ان کے قلم سے شائع ہوا اور "سلویٰ" پر بھی انھوں نے ایک منظوم ڈرامہ لکھا جو ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ "زنجیرِ رمِ آہو" ان کی نظموں کا مجموعہ ہے جن میں بیشتر طبعزاد ہیں۔ خالد کے دوسرے شعری مجموعے اور زیرِ نظر تصنیف قاری سے پوری توجہ اور ہمدردی کی طالب ہے اس لئے کہ ان کی شاعری داخلی اور غنائی ہونے کے بجائے فکری اور ایک حد تک علمی بھی ہے۔ ان کے اسلوب پر ابتدا میں اقبال کا پرتو نظر آتا ہے۔ چنانچہ "نوائے شوق" کے عنوان سے پہلی ہی نظم کی اٹھان یوں ہوتی ہے:-

روح سرود و سخن، خوابِ خیال و فغاں
سینۂ صد چاک سے قلقلِ کے سوتے رواں
اشکِ جگر سوز سے، فکر و نظر کا فروغ
داغِ دل افروز سے گرمیٔ بزمِ بیاں
جوہرِ تخلیق ہے بادۂ مینا گداز
ہر نظر اک ابتلا، ہر نفس اک امتحاں
اک ازلی التہاب، اک ابدی اضطراب
مبداءِ فیاض سے قسمتِ آزادگاں
سختیٔ دشت و دیار، صدقِ طلب کا عیار
راہِ تمنا میں ہے ہر قدم اک ہفت خواں
پائے خضر کے لئے راحتِ منزل نہیں
بالِ ہما کے لئے شاخِ نشیمن کہاں

لیکن آگے چل کر ان کی آواز میں اقبال کے علاوہ بھی بہت سی آوازیں مل جاتی ہیں ان سب آوازوں سے مل کر خالد کی اپنی آواز ایک نئے اسلوب کی تلاش میں ہے لیکن اس اسلوب کے خد و خال ابھی پورے طور پر متعین نہیں ہوئے ہیں اس لئے پڑھنے والے کو جگہ جگہ ذہنی جھٹکے لگتے ہیں اور ان کا لہجہ نامانوس معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے عروضی اعتبار سے "تسکین اوسط" کے استعمال کا تجربہ بھی کیا ہے جس سے اُردو کا قاری زیادہ بے تکلف نہیں ہے۔ ان کے یہاں جابجا فارسی اور عربی کے اچھے شعروں کی تضمین یا ان کی طرف اشارات ہیں اس لئے جس شخص کی واقفیت ان اشعار سے براہِ راست نہیں ہے وہ خالد کے شعروں کی معنویت کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کے یہاں واضح اور شفاف شاعرانہ ٹکڑے بھی اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں خاص طور پر "طیورِ آوارہ" کے عنوان سے اٹھارہ مختصر نظمیں عام قاری کے لئے بھی لطف اندوزی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اسی طرح "سکوتِ شام" "دو آوازیں" "اول شب" "بہار و خزاں" "تذکرۂ شوق" اور "قمیرہ" بھی ایسی نظمیں ہیں جن کی تخلیق میں خالد کے اپنے ذاتی اور داخلی تجربات کا خاصا دخل ہے اس لئے ان پر محسوسات کا رنگ ہی زیادہ نمایاں ہے اور ان کا اسلوب عام طور پر غنائی شاعری سے ہم آہنگ ہے "راہ و رسمِ منزلہا" کے عنوان سے نسبتاً طویل نظم بھی دلکش آہنگ رکھتی ہے۔ البتہ اس مجموعے کی دو اہم نظمیں "اختر شناس" اور "غبارِ خاطر" اپنے موضوع اور اسلوب دونوں اعتبار سے ایسی ہیں کہ سرسری نظر سے پڑھنے والا شاید ان سے گزر جائے۔ لیکن اگر ان نظموں کو توجہ سے پڑھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ خالد جدید شاعری میں اپنا جو انفرادی کردار بنانا چاہتے ہیں ان کی نمائندگی انھیں نظموں سے ہوتی ہے۔ خالد کی شاعری کا میدان بہت وسیع ہے، اور انھوں نے علمی اور ثقافتی سرمایے سے بھی اکتساب کرنے کا ہنر سیکھا ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ آئندہ وہ ہماری شاعری کو بہت کچھ دے سکیں گے۔

پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا